اختر راہی

قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مطالعۂ عیسائیت - ۲

قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے پہلی بار ۱۹۲۲ء میں فریضۂ حج ادا کیا تو اس سفرِ مبارک کے مشاہدات و تأثرات کو "سبیل الرشاد" کے نام سے سفر نامے کی شکل دی۔ قاضی صاحب کا یہ سفر نامہ حج و زیارت کے بہت سے سفرناموں میں سے ایک ہے تاہم "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" کے مصداق منفرد ہے۔ اس سے پہلے کہ "سبیل الرشاد" کے مندرجات پر مطالعۂ عیسائیت کے حوالے سے گفتگو کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں حج کے سفر ناموں یا حجاز ناموں کی روایت پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

فریضۂ حج اور مسلمانانِ برصغیر

حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے اور ہر صاحبِ استطاعت کے لیے زندگی میں ایک بار اس فریضے کی انجام دہی لازمی ہے۔ تاہم مالی و بدنی استطاعت سے قطع نظر ہر مومنِ صادق کے دل میں یہ آرزو مچلتی رہتی ہے کہ وہ دنیا و مافیہا سے کٹ کر کچھ دیر کے لیے دیارِ حبیب میں پہنچ جائے۔

روزِ اوّل سے جب مسلمانوں کے قدم برصغیر کی سرزمین پر پڑے، وہ ارضِ حجاز کے لیے سفر کرتے رہے ہیں۔ خود محمد بن قاسم کی مہماتِ بلوچستان و سندھ کے پس منظر میں حجاز جانے والے حاجیوں کے جہازوں پر بحری قزاقوں کا حملہ تھا۔ سلاطینِ دہلی اور مغل حکمران کارِ جہاں بانی سے اتنا وقت نہ نکال سکے[۱] کہ فریضۂ حج ادا کرتے تاہم وہ (بالخصوص مغل حکمران) مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ کے اہلِ علم اور فقراء و مساکین کی ضروریات سے غیر متعلق نہ رہے۔ مغلوں کے عہدِ زوال میں جب مسلمان نواب اور راجے اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار ہو گئے تو انہوں نے بھی یہ روایت جاری رکھی[۲]۔

سفرِ حجاز کے لیے جانے والوں میں عالم اور عامی دونوں طبقوں کے لوگ شامل ہوتے تھے اور حج سے واپس آنے پر ہر شخص اپنے اپنے حلقۂ احباب اور مجلسِ اعزّہ میں وارداتِ سفر اور احساساتِ قلب بیان کرتا رہا ہے۔ تاہم ان واردات کو قلم بند کرنے کی صلاحیت صرف اہل علم میں تھی اور ان میں سے بعض نے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ حج کرنے والوں میں ایسے لوگ بھی شامل رہے جو اپنے دنیوی منصب یا دینی مقام کی بنا پر مرجع عوام تھے، وہ خود تو اپنے سفر نامے نہ لکھ سکے البتہ ان کے ہم راہیوں میں سے

بعض نے یہ خدمت انجام دے دی۔ پندرھویں صدی کے آخر میں سیّد محمد مہدی جون پوری (م ۱۵۰۴ء) نے فریضۂ حج ادا کیا تو ان کے متبعین نے واقعاتِ سفر یاد رکھے جو سیّد محمد مہدی جون پوری کے سوانح نگاروں نے بیان کیے ہیں [3]۔ ارضِ حجاز جانے والے علماء میں شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۶۴۲ء) کے نام بہت نمایاں ہیں۔ اوّل الذکر تو حرمین ہی کے ہو کر رہ گئے تھے اور انہوں نے وہیں وفات پائی مگر شیخ عبدالحق محدّث دہلوی فریضۂ حج کی ادائیگی اور علمائے حرمین سے استفادہ کر کے واپس وطن آ گئے۔ انہوں نے کوئی سفر نامہ تو نہ لکھا [4] البتہ دو سال سے زائد عرصے کے قیامِ حرمین کے اشارے "زاد المتقین"، "اخبار الاخیار" اور "مکتوبات" میں کہیں کہیں کیے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے معاصر شیخ احمد سرہندی معروف بہ حضرت مجدّد الف ثانی (م ۱۶۲۴ء) شدید خواہش کے باوجود حج کے لیے نہ جا سکے [5]۔ ان کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سرہندی (م ۱۶۶۸ء) نے خاندان کے بعض افراد اور عقیدت مندوں کے ہمراہ سفرِ سعادت اختیار کیا۔ (۱۶۵۷ء) خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادے عبیداللہ نے اپنے والد گرامی کے مکاشفات (جو اس سفر میں حاصل ہوئے) اور ملفوظات کو "یواقیت الحرمین" کے نام سے مرتّب کیا۔ یواقیت الحرمین کی تالیف و ترتیب کے فوراً بعد شیخ محمد شاکر بن بدرالدین سرہندی نے اس کا فارسی ترجمہ کیا اور "حسنات الحرمین" نام رکھا۔ [6] صوفیاء کے روحانی ارتقاء، مدارج و منازل کے حصول اور فیوضات و برکات کو اگر ایک سفر قرار دیا جائے تو "یواقیت الحرمین" اور "حسنات الحرمین" روحانی سفر نامہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ (م ۱۷۶۲ء) کی "فیوض الحرمین" اور بعض دوسرے بزرگوں کی بھی ایسی تالیفات موجود ہیں تاہم معروف مفہوم میں انہیں سفر نامے کے دائرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

سفر نامۂ حج کی روایت

وقت کے ساتھ سمندری سفر میں جوں جوں سہولتیں پیدا ہوئیں اور راستے محفوظ ہونے لگے تو برصغیر سے حاجیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ شاہ ولی اللہ کے ایک عالم و فاضل شاگرد حاجی رفیع الدین مراد آبادی [7] (م ۱۸۰۹ء) نے بڑے عاشقانہ انداز میں سفرِ حج اختیار کیا تھا۔ وہ ۱۷۸۷ء میں وطنِ مالوف سے روانہ ہوئے اور ہجری تقویم کے مطابق دو سال دو ماہ اور دو ہفتے بعد واپس آئے۔ انہوں نے سفر نامۂ حج لکھا جس کے لفظ لفظ سے کیف اور سرشاری ٹپکتی ہے۔ تاریخی، جغرافیائی اور ادبی حیثیت سے اس شاہکار فارسی سفر نامے کو مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی (م ۱۹۸۸ء) نے اردو میں منتقل کیا ہے۔ [8]

انیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر کے بڑے حصے اور سمندری راستوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو کنٹرول حاصل ہو گیا تھا۔ پرتگیزوں اور انگریزوں کی باہمی چپقلش بہت حد تک ختم ہو چکی تھی اور انہوں نے باہم اپنے حلقہ ہائے اثر طے کر لیے گئے تھے۔ اس عرصے میں حاجیوں کی تعداد میں کافی اضافہ

ہوا اور اس لحاظ سے سفر نامے بھی نسبتاً زیادہ لکھے گئے۔ محمد عبدالحسین کربلائی ہندی، ہدایت علی بن تفضّل علی (سجادہ نشین شاہ شرف بو علی قلندر پانی پتی)، سیّد احمد شہید (م ۱۸۳۱ء)، حکیم غلام محمد خان پٹیالوی (م ۱۸۴۲ء)، قاضی بدرالدولہ محمد صبغتہ اللہ (م ۱۸۶۴ء) اور نواب مصطفیٰ خان شیفتہ (م ۱۸۶۹ء) کے فارسی سفر ناموں سے اہل علم آگاہ ہیں۔ مؤخر الذکر کا سفر نامۂ حجاز "ترغیب السالک الی احسن المسالک مسمیٰ بہ رہ آورد" کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔[9]

حج کے اردو سفر نامے اور "سبیل الرشاد"

قاضی بدرالدولہ اور نواب مصطفیٰ خان شیفتہ جب اپنے سفر نامے فارسی میں لکھ رہے تھے، تو اردو نے علمی و ادبی زبان کی حیثیت سے اتنی اہمیت حاصل کرلی تھی کہ بعض دوسرے اہل قلم فارسی کی جگہ اردو کو ذریعہ اظہار بنا رہے تھے۔ اردو میں پہلا معلوم سفر نامۂ حج [10] نواب سکندر بیگم والیہ بھوپال (م ۱۸۶۸ء) کا ہے۔ انہوں نے ۱۸۶۳ء میں سفرِ حرمین اختیار کیا تھا اور "تاریخِ وقائع حج" کے نام سے اپنے مشاہدات و تاثرات قلمبند کیے۔ "تاریخِ وقائع حج" کے دو نسخے دو انگریز افسروں کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک رضا لائبریری رام پور (اترپردیش) میں محفوظ ہے۔

۱۸۶۳ء کے پہلے اردو سفر نامۂ حج سے لے کر قاضی محمد سلیمان منصوری پوری کے سفر نامۂ حج "سبیل الرشاد" [اشاعت: ۱۹۲۴ء] تک اردو میں حج کے کتنے سفر نامے لکھے گئے؟ اردو سفر ناموں کی کوئی جامع فہرست نہ ہونے کے باعث صحیح تعداد بتانا تو مشکل ہے تاہم ان سفر ناموں کی تعداد پچیس تیس کے لگ بھگ ہوگی۔ ان سفر ناموں میں سے جو عامتہ المسلمین کے لکھے ہوئے ہیں، ان میں حج کی تیاری، اخراجات، سفر کی ضرورتوں، منازلِ سفر، مناسک حج، ذاتی مشاہدات و تاثرات اور حج کے ضمن میں بعض آثار کا ذکر ہے۔ بعض سفر ناموں میں آثار کے نقشے اور تصویریں بھی بنائی گئی ہیں۔ ان سفر ناموں کا مقصد حج کے لیے جانے والوں کی رہنمائی ہے۔ انہیں مشکلات و مصائب سے آگاہ کرنا اور ان سے بچنے کی تلقین اصل مقصد نظر آتا ہے۔ ثانوی طور پر مناسکِ حج کی انجام دہی میں رہنمائی ہے۔ ادب و شعر سے دلچسپی رکھنے والوں نے اپنی وارداتِ عشق و محبت کو زیادہ خوبصورتی سے بیان کیا ہے تاہم وہ سفر نامے جو علمائے کرام کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں، ان میں باقی موضوعات کے ساتھ ارضِ حجاز اور اس کی تاریخ و آثار پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس طرح مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ میں عہد بہ عہد وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کا تذکرہ ہے اور لکھنے والوں نے اپنے اپنے مسلک کے حوالے سے اہلِ حرمین کے عقائد و رسوم اور عادات پر رائے زنی کی ہے۔

سبیل الرشاد کی اشاعت سے پہلے علمائے کرام کی جانب سے اردو میں حج کے چند ہی سفر نامے شائع ہوئے تھے۔ بریلی کے مولانا تجمّل حسین نے "سراج الحرمین" [بریلی: مطبع صدیقی (۱۲۹۰ھ)]

مرتّب کیا۔ نو سال بعد مولوی ایزد بخش قادری مراد آبادی نے دو جلدوں میں ارضِ حجاز، کربلائے معلّیٰ اور قسطنطنیہ کا سفر نامہ لکھا۔ پہلی جلد "منبع الحرمین" [مراد آباد: مطبع العلوم (۱۲۹۹ھ)] واقعاتِ حج سے متعلق ہے۔ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں پٹنہ کے مولانا محمد حفیظ اللہ نے فریضۂ حج ادا کیا اور "سفر نامۂ عرب" [پٹنہ: مطبع احمدی (۱۳۱۲ھ)] ترتیب دیا۔ مولانا محمد حسین الٰہ آبادی (م ۱۹۰۴ء) حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی کے مسترشد تھے۔ ان کا مختصر سا سفر نامہ "رہبر راہ مستقیم دین الموسوم بہ رحلتہ المسکین الی البلد الامین" [الٰہ آباد: مطبع انوارِ صابری (۱۹۰۹ء)] شائع ہوا۔ ۱۹۰۶ء / ۲۴-۱۳۲۳ھ میں جنوبی ہند کے خطیب قادر بادشاہ کو حرمین شریفین کے سفر کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کا سفر نامہ "مخبر دکن" (مدارس) میں بالاقساط شائع ہوا۔" نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے فارسی سفر نامۂ حج کا اردو ترجمہ "سراج منیر" [آگرہ: مطبع آگرہ اخبار (۱۹۱۰ء)] بھی چھپا۔ اس کے بعد علمائے دین کے حلقوں میں معروف لوگوں میں سے مولانا ظفرالملک علوی (م ۱۹۴۶ء) کے مشاہداتِ سفر چھپے۔ انہوں نے ۱۹۲۳ء میں فریضۂ حج ادا کیا تھا اور مشاہدات ماہنامہ "الناظر" (لکھنؤ) میں ستمبر ۱۹۲۳ء سے ستمبر ۱۹۲۶ء تک شائع ہوتے رہے۔[۱۲]

علمائے کرام کے مذکورہ بالا سفر ناموں میں سے کوئی ایک بھی تقابلِ ادیان کے حوالے سے ارضِ حجاز اور اس کے آثار کے بارے میں معلومات فراہم نہیں کرتا۔ یہ فریضہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری جیسا عالم دین اور مطالعۂ مذاہب سے دلچسپی رکھنے والا محقّق ہی انجام دے سکتا تھا۔ چنانچہ "سبیل الرشاد" منجملہ دوسرے اسباب کے ایک منفرد سفر نامۂ حج ہے۔ اس خصوصیت سے قاضی صاحب کے معاصر اہلِ علم بخوبی آگاہ تھے۔ پروفیسر مولوی محمد شفیع (م ۱۹۶۳ء) نے اردو میں سیر و سیاحت کی کتابوں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ[۱۳] "حرمین شریفین کے سفر ناموں میں سے خاص طور پر قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا فاضلانہ سفر نامہ سبیل الرشاد بہت پسندیدہ ہے۔"

"سبیل الرشاد" کی اشاعت سے لے کر قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی رحلت (۱۹۳۰ء) تک علمائے کرام کی جانب سے سفرِ حج کے جو مزید سفر نامے یا مشاہدات و تأثرات سامنے آئے۔ ان میں نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خان شروانی (م ۱۹۵۰ء) کا سفر نامہ "الفوز العظیم"[۱۴] اور مولانا محمد اسلم جیراجپوری کے تاثراتِ حج[۱۵] قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا شروانی والہانہ اندازِ بیان اور شدّتِ تاثر کے حوالے سے تو بہت آگے ہیں مگر وہ عنصر "الفوز العظیم" میں بھی ناپید ہے جو "سبیل الرشاد" کی خاصیت ہے۔

"سبیل الرشاد" اور مطالعۂ عیسائیت

مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے "سبیل الرشاد" کے آغاز میں بہ عجز و انکسار لکھا ہے۔[۱۶]
"یہ ایک مختصر سفر نامہ ہے جس میں حرمین پاک کے حالات اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ اگرچہ حج

کے سفر نامے بہت موجود ہوں گے لیکن امید ہے کہ رسالہ ہذا سے بھی کچھ معلومات میں اضافہ ہوگا۔"

قاضی صاحب سفرِ حج سے پہلے سیرت نبی اکرم ﷺ پر "رحمتہ للعالمین" کی دو جلدیں ترتیب دے چکے تھے [۱۷] اور اس سلسلے میں "کتابِ مقدس" کی خوب ورق گردانی کر چکے تھے۔ "رحمتہ للعالمین" میں شامل کیے گئے بعض مباحث "سبیل الرشاد" میں دہرائے گئے ہیں۔ انہوں نے جزیرہ نمائے عرب کے بعض آثار کے حوالے سے قدیم سیاحوں کا ابن جبیر اندلسی، حکیم ناصر خسرو بلخی اور ابن بطوطہ کا ذکر کیا ہے اور ان کے بیان کردہ واقعات سے استشہاد کیا ہے۔

عرب کی سرزمین پر قدم رکھتے ہوئے انہوں نے "سبیل الرشاد" کے قاری پر یہ واضح کیا ہے کہ "عرب کا تمدن ہر ایک متمدن ملک کی تاریخ سے قدیم تر ہے۔" اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل شہادتیں پیش کی ہیں۔ [۱۸]

الف۔ وہ عرب (عمالقہ) ہی تھے جنہوں نے ۲۵ صدی قبل مسیح بابل میں اپنی سلطنت بنام ساموآئی ٹس (بنوسام) قائم کی تھی۔ (پیدائش ۱۲: ۹-۳۶)

ب۔ وہ عرب ہی تھے جنہوں نے آشور میں سلطنت حمورابی ۲۱ صدی قبل مسیح قائم کی تھی۔ (پیدائش ۱۲: ۹-۳۶)

ج۔ وہ عرب ہی تھے جنہوں نے مصر میں ۲۱ صدی قبل مسیح سلطنت قائم کی تھی۔ اس سلطنت کا وجود ۷اسو قبل مسیح تک وہاں پایا جاتا ہے۔

د۔ وہ عرب (عادِ اوّل) ہی تھے جنہوں نے یمن و عمان کے درمیانی حصہ میں سلطنت احقاف ۲۰ صدی ق-م قائم کی تھی۔

ہ۔ وہ عرب (عادِ اوّل) ہی کی شاخ تھے جنہوں نے ایران پر جمشید و فریدون کے درمیان ضحاک کے نام سے ہزار سال تک سلطنت کی تھی۔

و۔ وہ عرب (بنو معین) ہی تھے جنہوں نے یمن و حضرموت کے درمیان ۱۴ صدی ق-م ایک بڑی سلطنت قائم کی تھی۔

ز۔ وہ عرب (ثمود) ہی تھے جن کی سلطنت مدائن صالح میں ۲۰ صدی ق-م موجود تھی جن کی عمارات کے آثار آج تک موجود ہیں۔

ح۔ وہ عرب (قحطانیہ) ہی تھے جن کی سلطنت یمن (سباء الاوّل) کے نام سے ۸ صدی قبل مسیح قائم تھی، جن کی اعلیٰ صنعت کی یادگار سدِّ مارب کا بقیہ اب تک دنیا پر موجود ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۸۰۰ گز لمبی اور ۵۰ گز چوڑی دیوار تھی جس میں پانی کے بھرنے اور ان بھرنوں کے کھولنے اور بند کرنے کے تختے لگے ہوئے تھے۔

ط۔ وہ عرب (حمیر) ہی تھے جنہوں نے سدِّ مارب کی شکست اور تباہی ملک کے

بعد پھر اپنی ایک سلطنت قائم کر لی تھی۔

بیت اللہ کے ذکر میں ابرہہ کی کی لشکر کشی کا واقعہ زیر بحث آیا تو قاضی صاحب نے واضح کیا کہ [19] "حجاج کی راہ میں عرفات اور منیٰ کے درمیان وہ میدان پڑتا ہے جہاں یہ تمام فوج غضب الٰہی سے ہلاک ہو گئی تھی"۔ یہاں قاضی صاحب نے ابرہہ کی لشکر کشی اور اس کے انجام کا ذکر سورۃ الفیل، ایک عرب شاعر اور فرنچ پروفیسر سیڈیو کے حوالے سے کیا ہے۔

"بنیانِ کعبہ" کے حوالے سے قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ "قرآن مجید سے ثابت ہے کہ کعبہ کی دیواروں کو سیّدنا ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے پاک ہاتھوں نے بلند کیا تھا۔ (البقرہ: ۱۲۷) اس کی تائید بائبل سے ہوتی ہے۔ کتاب پیدائش باب ۱۳ درس ۸ میں "بیت ایل" کا ذکر کیا گیا ہے اور علیٰ ہذا باب ۱۳ کے درس میں بھی ہے۔ "ایل" عبرانی زبان میں اللہ کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید کے لفظ البیت اور اردو بائبل کے لفظ محفوظہ "بیت ایل" پر نگاہ غور ڈالنی چاہیے۔"

مکّہ کے گرد و نواح کے مقامات کے ذکر میں "جبل ابو قبیس" پر دو صفحات لکھے گئے ہیں۔ اس پہاڑ کی ایک چوٹی پر "معجزۂ شق القمر" کا ظہور ہوا تھا۔ "آج ایسے معجزے پر سب سے زیادہ اعتراض کرنے والے پادری صاحبان ہیں جو خود معجزات کے قائل ہیں۔ ان کے اعتراضات میں اہم اعتراض یہ ہے کہ اگر چاند پھٹ گیا ہوتا تو اس واقعۂ عظیم کی شہادت ہر ایک ملک کی تواریخ سے ملنی چاہیے تھی۔"

قاضی صاحب نے اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے، ان ہی کے الفاظ میں پڑھنے کے قابل ہے، لکھتے ہیں۔ [20]

> کتاب یشوع باب ۱۰:۱۲ "یشوع نے خدا کے حضور بنی اسرائیل کے آگے یوں کہا کہ اے آفتاب جبعون پر ٹھہرا رہ۔ اور اے مہتاب تو وادی ایلون کے مقابل۔ (۱۰:۱۳) تب آفتاب نے درنگ کیا اور ماہتاب کھڑا رہا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے دشمنوں سے انتقام لیا۔ (۱۰:۱۳) قریب دن بھر کے پچھم کی طرف مائل نہ ہوا۔
>
> پادری صاحبان غور کریں تو وہ معجزہ شق القمر تو شب کا معاملہ تھا۔ بہت لوگ سوتے ہوں گے، بہت لوگ اپنے مکان کے اندر ہوں گے۔ انشقاق سے تو روشنی میں کوئی کمی ہی نہ آئی تھی۔ اس لیے آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی بھی کسی کو ضرورت نہ پڑی ہو گی لیکن سورج کے ٹھہر جانے اور رک جانے کا اثر بہت وسیع ہے۔ دن بھر سورج ٹھہرا رہا مگر (آفتاب کے ٹھہرنے کا ذکر) دنیا کی کتابوں میں کیوں نہیں آیا۔ دنیا کی بات جانے دو، کیونکہ اس کا ذکر یشوع کے معاصرین نے نہیں کیا۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ خود یشوع کی کتاب میں لکھا ہوا تو ہے۔ قاضی صاحب وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

یاد رکھیں کہ شارحین بائبل ہنری اور سکاٹ کے قول کے بموجب کتاب یشوع حضرت داؤد کی ابتدائی سلطنت یعنی (قبل از سال ہفتم جلوس) میں لکھی گئی تھی۔ حضرت داؤد و یوشع کا درمیانی زمانہ چار سو برس کا ہے۔ ممکن ہے کہ پادری صاحبان فرمائیں کہ لکھنے والے نے یہ واقعہ الہام ربانی سے لکھا ہے مگر یہ توجیہ بھی غلط ہوگی کیونکہ یشوع ۱۰:۱۳ میں یہ فقرہ بھی اس واقعہ کے ذکر کے بعد موجود ہے۔ "کیا یہ کتاب الیاشر میں لکھا نہیں ہے۔"

- جب پادریوں سے پوچھو کہ وہ اصل کتاب کہاں ہے تو جواب ملے گا کہ دنیا کے پردہ پر کہیں نہیں پائی جاتی۔ واہ صاحب واہ! ایسی روایتوں پر تو اعتبار کرتے ہو مگر اس کتاب پر اعتبار نہیں کرتے -- جس میں کوئی اختلاف کسی ملک کے قرآن میں نہیں پایا جاتا۔

حرم کے حوالے سے "کبوترانِ حرم" کا ذکر کئی سفرنامہ نگاروں نے کیا ہے مگر ان کی قدامت کے بارے میں بیانات اور آراء پر کسی نے اس طرح گرفت نہیں کی جس طرح قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے کی۔ انھوں نے ان کبوتروں کے وجود کو دینی جواز دینے کے بجائے واضح کیا ہے کہ [21]

جنگلی کبوتروں کا انسانی تعمیرات میں گھونسلے بنانا ایک ایسی بات ہے جو قریباً ہر ایک ملک میں دیکھی جاتی ہے اور جہاں جہاں ان کو امن کی زیادہ جگہ ملتی ہے، وہاں ان کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پرانے قلعوں، کھنڈروں اور مزارات کے گنبدوں میں کبوتر پائے جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ "حرم میں کبوتر مدت سے پائے جاتے ہیں اور نبی ﷺ کی سیرت پاک سے ان کی کوئی نسبت خاص نہیں۔" البتہ اس موقع پر قاضی صاحب نے بائبل میں "خدا کی روح کو کبوتر کی مانند" بیان کرنے کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی متعصب مستشرقین کی بیان کردہ اس لغو داستان کو نشانۂ تنقید بنایا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے کان میں ان کا پالتو کبوتر دانہ چگتا تھا اور عرب کے لوگ خیال کرتے تھے کہ روح القدس، حضرت محمد ﷺ سے سرگوشی کر رہا ہے۔ [22]

دسویں ذوالحجہ کو منیٰ میں حاجی قربانی دیتے ہیں۔ قاضی صاحب نے اس موقع پر قربانی کی قدیم رسم کا ذکر بائبل کے حوالوں سے کیا اور بتایا ہے کہ یہود میں تین مختلف قسم کی قربانی کا رواج تھا۔ "قربانی سوختنی" میں تمام گوشت جلا دیا جاتا تھا اور جانور کی کھال کاہن کو دے دی جاتی تھی۔ "قربانی کفارہ" میں گوشت کا کچھ حصہ جلا دیا جاتا اور باقی کاہن کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ "قربانی سلامتی" میں گوشت تقسیم ہوتا تھا جسے سب کھا سکتے تھے۔ یہود کے علاوہ باقی قوموں کی قربانیوں کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کی روایت قربانی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں یسعیاہ (۶۰:۷) کے حوالے سے واضح کیا ہے کہ اس جگہ مسلمانوں کی منیٰ میں قربانی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ [23]

مدینہ منوّرہ کے آثار میں قاضی صاحب نے مختلف کتابوں کے حوالے سے تفصیل سے گفتگو کی ہے اور کہیں کہیں بائبل کے حوالے لائے ہیں۔ مدینہ منوّرہ کے نام کے ضمن میں لکھا ہے کہ یسعیاہ نبی نے (جو حضرت مسیح علیہ السلام سے ۷۰۰ سال قبل مبعوث ہوئے تھے۔) مدینہ کا نام اس کے مشہور پہاڑ سلع کے نام سے ظاہر کیا ہے۔[۲۴]

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا سفرنامۂ حج بیسیوں دوسرے حج ناموں کے چھپنے کے باوجود اپنا منفرد مقام رکھتا ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن، جس میں بعض مفید اضافے بھی ہیں، کتابت کے حوالے سے اتنا ناقص ہے کہ اقتباسات نقل کرتے ہوئے اس بات کا اطمینانِ کامل نہیں ہے کہ ان اقتباسات کی عبارت من و عن وہی ہے جو اوّلین ایڈیشن میں چھپی تھی۔ کاش پہلے ایڈیشن کی عکسی اشاعت کے ساتھ اضافات الگ سے شائع کر دیے جاتے۔

حواشی

۱۔ محمد بن تغلق کے بارے میں ضیاء الدین برنی (م ۱۳۸۳ء) نے اطلاع دی ہے کہ ایک زمانے میں سلطان کا ارادہ تھا کہ مملکت کا نظم و نسق امراء کے سپرد کر کے بیت اللہ کی زیارت کے لیے چلا جائے مگر ملک کی عام حالت نے اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ [تاریخ فیروز شاہی، (ترجمہ: ڈاکٹر سیّد معین الحق)، لاہور: مرکزی اردو بورڈ (۱۹۶۹ء)، ص ۷۳۸] اسی طرح "اکبر نامہ" کی روایت کے مطابق اکبر نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے ارضِ حجاز جانے کا ارادہ کر لیا تھا مگر مشیرانِ مملکت نے ملک میں بادشاہ کی موجودگی کو زیادہ اہم قرار دیا اور اکبر اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

۲۔ حاجی رفیع الدین مراد آبادی نے ۱۷۸۷ء میں حج کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ

> ملوک و امراء بھی بقدرِ حال توفیق خدمت اہلِ حرمین رکھتے ہیں۔ مثلاً تیمور شاہ، نصیر خان بلوچ، نظام علی خان اور دیگر امرائے دکن اکثر یہاں صدقات بھیجتے رہتے ہیں۔ محمد علی خان ہر سال دو لاکھ بھیجتے ہیں۔ [پونے دو صدی پیشتر کی ایک تاریخی دستاویز یعنی ہندوستان کا سب سے پہلا سفر نامۂ حجاز، لکھنؤ: کتب خانہ الفرقان (۱۹۶۱ء)، ص ۴۶]

۳۔ میاں عبدالمحمد گجراتی نے ۱۱۴۱ھ/ ۲۹-۱۷۲۸ء میں سیّد محمد مہدی جون پوری کی سوانح حیات "تاریخ فیضِ عام" کے نام سے نظم کی۔ اس میں سیّد محمد مہدی کے واقعاتِ حج بھی شامل ہیں۔ "تاریخ فیضِ عام" کے دو قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان - کراچی کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ دیکھیے: افسر صدیقی امروہوی، سیّد سرفراز علی رضوی، مخطوطات انجمن ترقی اردو (اردو) جلد اوّل، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان (۱۹۶۵ء)، ص ۴۳۸، جلد پنجم، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان (۱۹۷۸ء)، ص ۳۱۱

۴۔ اردو سفر نامے کی تاریخ لکھنے والوں میں سے بعض نے شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی تالیف "جذب القلوب الی دیار المحبوب" کو سفر نامۂ حج قرار دیا ہے۔ دیکھیے: حافظ محمد افضل فقیر، دیباچہ "جمالِ حرمین" [تحریر: ۱۹۷۷ء] لاہور: جنگ پبلشرز (۱۹۸۹ء)، ص ۳۰، ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، اردو سفر نامے کی مختصر تاریخ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان (۱۹۸۷ء)، ص ۲۴، ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب میں سفر نامہ، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی (۱۹۸۷ء)، ص ۴۶۵

یہ رائے چنداں درست نہیں۔ "جذب القلوب الی دیار المحبوب" حقیقتاً مدینہ منوّرہ کی تاریخ ہے۔ شیخ عبدالحق نے "زاد المتقین" کے دیباچے میں لکھا ہے کہ "تامدّتِ دو سال وکسرے بحالت قیام مکّہ معظمہ آنچہ دیدم یا شنیدم ضبط کردم" مگر یہ بھی سفر نامۂ حج نہیں بلکہ ان کے شیوخ و اساتذہ کا تذکرہ ہے۔

۵۔ حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات (دفتر دوم) کے مکتوب نمبر ۲۷ میں لکھا ہے کہ

> حج فرض ہو چکا ہے اور راستہ کا امن بھی غلبۂ سلامتی کے باعث ثابت ہو چکا ہے اور اس فرض کے ادا کرنے کا شوق بھی کمال درجہ کا ہے لیکن دیر پر دیر ہوتی جا رہی ہے، سفر کا استخارہ بھی موافقت نہیں کرتا اور اگرچہ اچھی طرح سے متوجہ ہوتا ہوں، پھر بھی چلنے کا راستہ نہیں کھلتا اور کعبہ تک پہنچنا نظر نہیں آتا۔ کیا کیا جائے؟ ادائے فرض کی تاخیر میں یہ تمام عذرات فائدہ مند نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فرض حج ادا کرنے کے ارادے پر گھر سے نکلنا چاہیے اور سر اور آنکھوں کے بل منزلوں کو قطع کرنا چاہیے، اگر پہنچ گئے تو نعمتِ عظمیٰ ہے، اگر راہ ہی میں رہ گئے تو بھی بڑی بھاری امیدواری ہے۔ [دیکھیے: سیّد زوار حسین شاہ، حضرت مجدّد الف ثانی، کراچی: ادارہ مجدّدیہ (۱۹۷۲ء)، ص ۱۶۵]

۶۔ "حسنات الحرمین" اور اس کے اردو ترجمہ کے لیے دیکھیے: حسنات الحرمین [تحقیق و تعلیق و ترجمہ: محمد اقبال مجددی]، موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسماعیل خان): مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ (۱۹۸۱ء)

۷۔ احوال و آثار کے لیے دیکھیے: نواب سیّد صدیق حسن خان، اتحاف النبلاء، کانپور: مطبع نظامی (۱۲۸۸ھ) ص ۲۵۱، سیّد عبدالحی رائے بریلوی، نزہتہ الخواطر و بہجتہ المسامع والنواظر، حیدر آباد دکن: دائرۃ المعارف (۱۹۵۹ء)، جلد ہفتم، ص ۱۸۲، مولوی رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ)، کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (۱۹۶۱ء)، ص ۱۹۷-۱۹۸

۸۔ دیکھیے حاشیہ نمبر ۲

۹۔ دہلی: مطبع مصطفائی (۱۲۸۳ھ / ۶۷-۱۸۶۶ء)، ۱۲۵ ورق جن میں "رہ آورد" نام تبدیل کیا ہے، مطبع مصطفائی کے بجائے مطبع مرتضائی میں چھپے تھے۔

۱۰- حافظ محمد افضل فقیر نے جمالِ حرمین [سفر نامہ حج از حافظ لدھیانوی] کے دیباچے میں لکھا کہ "اردو میں سب سے پہلا سفر نامہ حج ۱۲۶۸ھ [کذا] میں [رحلتہ] الصدیق الی بیت العتیق کے نام سے نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے تحریر کیا۔ اوّلیت کا یہ شرف نواب صاحب مرحوم کا مقدّر تھا۔ (دیباچہ "جمال حرمین"، حوالہ مذکورہ، ص ۳۰)

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے اوّلین اردو سفر نامہ حج کی تعیین نہیں کی تاہم انھوں نے "رحلتہ الصدیق الی البیت العتیق" کو اردو میں لکھے گئے "دیگر حج ناموں" میں شمار کیا ہے۔ (اردو سفر نامے کی مختصر تاریخ، حوالہ مذکورہ، ص ۲۲۶)، ڈاکٹر انور سدید نے ان اہل قلم سے آگے بڑھ کر لکھا ہے کہ

> نواب صدیق حسن خان کا سفر نامہ رحلت الصدیق الی بیت العتیق جو ۱۸۶۸ء کے سفرِ حج کے واقعات کی روداد ہے، اردو زبان و ادب کا پہلا حج نامہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس دور میں اردو نثر متعدد مدارج طے کر چکی تھی اور سفر نامہ لکھنے کی روایت کو بھی فروغ حاصل ہو چکا تھا لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر سال ہزاروں افراد کو حج کی سعادت حاصل ہو جانے کے باوجود ۱۸۶۸ء تک اردو میں کوئی حج نامہ معرضِ تحریر میں نہیں آیا اور اگر لکھا گیا ہے تو فی الوقت دستیاب نہیں۔ (اردو ادب میں سفر نامہ، حوالہ مذکورہ، ص ۵۳۷)

یہ تینوں بیانات "سہل انگاری" کا ایک اچھا ثبوت ہیں۔ جس کتاب کو یہ حضرات اردو کا سفر نامہ قرار دے کر بحث کر رہے ہیں، یہ سرے سے اردو میں لکھی ہی نہیں گئی۔ "رحلتہ الصدیق الی البیت العتیق" کی زبان عربی ہے۔ کتاب پانچ ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ ابواب کا تعلق فضیلت مکّہ، فضائل حج و طواف، مبادیاتِ حج و عمرہ، مقاصدِ حج اور زیارت روضۂ رسول سے ہے۔ خاتمہ "فی رحلتہ مولفھا الی بیت اللہ تعالیٰ و مدینہ رسول اللہ ﷺ" ہے جو کتاب کے دس صفحات پر مشتمل ہے۔ بہر حال نواب سیّد صدیق حسن خان برصغیر کے ان بزرگوں میں شامل ہیں جنھوں نے سفرِ حج کی مختصر یادداشتیں عربی زبان میں قلمبند کی ہیں۔ "رحلتہ الصدیق الی البیت العتیق" کی پہلی اشاعت خطِ نستعلیق میں ۱۲۸۹ھ میں مطبع علوی [دہلی؟] سے عمل میں آئی تھی۔ دوسری اشاعت عبدالرحیم شرف الدین (مہتمم شرف الدین الکتبی و اولادہ - بمبئی) نے ۱۹۶۱ء میں عربی ٹائپ میں پیش کی۔

اردو سفر نامے پر تحقیق کرنے والی ایک عالمہ ڈاکٹر قدسیہ قریشی نے اپنی تحقیق و جستجو کو اس نتیجے پر ختم کیا ہے کہ

> اب تک جو مذہبی سفر نامے ملے ہیں، ان میں انیسویں صدی کا قدیم ترین سفر نامہ "سفرِ دارالمصطفیٰ" ہے۔ [ڈاکٹر قدسیہ قریشی، اردو سفر نامے: انیسویں صدی میں، دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ (۱۹۸۷ء)، ص ۱۷]

"سفرِ دارالمصطفیٰ" سر رچرڈ فرانسس برٹن (۱۸۲۱ء - ۱۸۹۰ء) کے Personal Narrative

of a Pilgrimage to El-Madina and Mecca کے ایک حصے کا ترجمہ ہے جو مولوی انشاءاللہ خان (م ۱۹۲۸ء) نے حمیدیہ سٹیم پریس لاہور سے اپریل ۱۹۱۰ء میں شائع کیا تھا البتہ برٹن کا اصل سفر نامہ ۵۶-۱۸۵۵ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ ایک لحاظ سے یہ کہنا درست ہے کہ انیسویں صدی کے جو حجاز نامے لکھے گئے ہیں، ان میں برٹن کے احوالِ حرمین قدیم ترین ہیں مگر اس کے ترجمے کی زبان تو بہرحال ۱۹۱۰ء کی ہے۔ ڈاکٹر قدسیہ قریشی نے "سفر دارالمصطفیٰ" کے جو کتابیاتی کوائف مہیا کیے ہیں، ان میں سالِ اشاعت ۱۸۵۵ء لکھا ہے جو درست نہیں۔ اور حقیقتاً اسی غلطی نے انہیں مذکورہ بالا نتیجے پر پہنچایا ہے۔

اردو سفرنامے پر تحقیق کرنے والے پاکستانی قلم کار ڈاکٹر منظور الٰہیٰ ممتاز نے حاجی محمد منصب علی خان کے سفر نامۂ حج "ماہ مغرب المعروف بہ کعبہ نما" (۱۲۸۸ھ) کو اردو زبان کا پہلا سفر نامہ تسلیم کیا ہے۔ جہاں تک مطبوعہ سفر ناموں کا تعلق ہے، ڈاکٹر منظور الٰہی ممتاز کی رائے درست ہے مگر نواب سکندر بیگم کے قلمی سفر نامے کی موجودگی کے باعث "ماہِ مغرب" کو اوّلیت کا درجہ حاصل نہیں۔

۱۱۔ خطیب قادر بادشاہ کا سفر نامہ بعد ازاں مدراس سے کتابی صورت میں بھی ایک یا دو بار شائع ہوا ہے۔

۱۲۔ مولانا ظفر الملک علوی کے مشاہدات سفر "سفر نامۂ حجاز" کے عنوان سے خدا بخش لائبریری جرنل (پٹنہ) بابت ۱۹۹۱ء میں یکجا شائع ہو گئے ہیں۔

۱۳۔ پروفیسر مولوی محمد شفیع، مقالات (دینی و علمی)، لاہور: دین محمدی پریس (۱۹۶۱ء)، حصہ دوم، ص ۲۷

۱۴۔ مولانا شروانی کا "الفوز العظیم" ۲۷-۱۹۲۶ء میں ترتیب دیا گیا تھا مگر یہ ۱۹۶۷ء سے پہلے شائع نہ ہو سکا۔ اشاعت کے لیے دیکھیے: ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) بابت ماہ فروری، مارچ اور اپریل ۱۹۶۷ء۔ "الفوز العظیم" کی تلخیص مولانا شروانی کے سوانح نگار نے ان کی سوانح حیات میں دے دی ہے۔ دیکھیے: شمس تبریز خان، صدر یار جنگ یعنی نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کی سوانح حیات، لکھنؤ: مکتبۂ دارالعلوم ندوۃ العلماء (۱۹۷۲ء)، ص ۱۹۶ - ۲۱۹

۱۵۔ مولانا محمد اسلم جیراجپوری نے ۱۹۲۸ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ اگست ۱۹۲۸ء اور اکتوبر ۱۹۲۸ء کے ماہنامہ جامعہ (دہلی) میں ان کے تاثراتِ حج شائع ہوئے۔ نیز دیکھیے: محمد اسلم جیراجپوری، نوادرات، کراچی: ادارہ طلوع اسلام (۱۹۵۱ء)، ص ۲۹۲ - ۳۳۰

۱۶۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، سفر نامۂ حجاز [سبیل الرشاد]، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز (اشاعت دوم: ۱۹۸۶ء)، ص ۱۴

۱۷۔ "رحمتہ للعالمین" کی پہلی جلد کی اوّلین اشاعت ۱۹۱۲ء میں اور دوسری جلد کی اوّلین اشاعت ۱۹۱۶ء میں سامنے آئی تھی۔

۱۸۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، سفر نامۂ حجاز، حوالہ مذکور، ص ۳۰ - ۳۱

۱۹- ایضاً، ص ۷۳
۲۰- ایضاً، ص ۸۷-۸۸
۲۱- ایضاً، ص ۱۰۷
۲۲- ایضاً، ص ۱۰۸
۲۳- ایضاً، ص ۱۴۷-۱۴۹
۲۴- ایضاً، ص ۱۷۶